تصوف صیانت عقیدہ اور طہارتِ اعمال
کی ہمہ گیر تحریک
انٹرنیشنل تصوف سیمینار
ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
صدر مرکز تحقیق فیصل آباد
ہدیۂ عقیدت طیب گروپ آف انڈسٹریز فیصل آباد

۱۵: پیر علاؤالدین صدیقی نقشبندی مجددی:

حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنوی ؒ کے باطنی کمالات اور کشف وکرامات لاتعداد ہیں۔لیکن آپ کی عظیم کرامتیں دو ہیں۔ایک آپ کی روحانی واصلاحی خدمات جن سے لاکھوں افراد نے رشد وہدایت پائی۔دوسری کرامت آپ کی اولاد ہے۔جو سب ممتاز عالم دین اور صاحبِ ارشاد وطریقت ہیں۔آپ کے سات صاحبزادے ہیں۔والد ماجد ؒ کے وصال کے بعد سب بھائیوں نے باہمی اتحاد واتفاق سے پیر علاؤالدین صدیقی کو مسند نشینی کا حق دار قرار دیا۔اسطرح پیر علاؤالدین صدیقی علم وعرفان اور طریقت وشریعت میں اپنے والد کے صحیح وارث قرار پائے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو گوناگوں صلاحیتوں اور خوبیوں سے نوازا آپ ایک اجل عالم،فاضل،محقق، شیخ طریقت،خوش بیان واعظ و مصلح،بلند پایا مبلغ وداعی اور مناظر اسلام ہیں۔

پیر علاؤالدین صدیقی نے اپنے والد کے روحانی مشن کو درجہ کمال تک پہنچایا۔اندرون و بیرون ملک کے متعدد دعوتی وتبلیغی دورے فرمائے ااور تصوف کی حقیقی تعلیمات وافکار سے دنیا کو متعارف کروایا۔یورپ میں مسلمانوں کی اصلاح اور غیر مسلموں کو اسلام سے روشناس کرنے کے لیے آپ نے برمنگھم میں نقشبندیہ ٹرسٹ قائم کیا۔باالفاظ دیگر آپ نے یورپ میں پہلی انٹرنیشنل نقشبندی خانقاہ قائم کی۔اس کے تحت آپ یورپ میں اردو،انگریزی لٹریچر کی اشاعت کے علاوہ مساجد،مدارس، مکاتب اور حلقہ ھائے دروسِ قرآن وسنت،دروسِ تصوف بالخصوص درس مثنوی مولانا روم اور مجالس ذکر ومحافل حمد ونعت کا انعقاد کر رہے ہیں۔اور مغرب زدہ مسلمان

نوجوانوں کوراہ راست پر گامزن کر رہے ہیں۔اسطرح آپ نے خانقاہ نیریاں شریف کوتصوف کی ایک مربوط ومنظم عالمگیر تحریک بنا دیا۔برمنگھم جیسے مہنگے شہر میں آٹھ کنال رقبہ میں مرکزِ رشدوہدایت کی تعمیر اور خواتین کے لیے برطانیہ میں مخصوص دو کالجز کا قیام پیر علاؤالدین صدیقی صاحب کا عظیم کارنامہ ہے۔

پاکستان میں اشاعت علم وحکمت کے لیے نیریاں شریف میں محی الدین اسلامی یونیورسٹی قائم کی۔جو اسلامی وعصری علوم وفنون کے علاوہ تعمیر میں بھی قدیم وجدید کا حسین امتزاج ہے۔پیر علاؤالدین صدیقی کے عصر حاضر کے تقاضوں سے باخبر ہونے کی ایک علامت آپ کا النور انٹرنیشنل ٹی وی اور محی الدین میڈیکل کالج میرپور کا قیام ہے۔ان جدید اداروں کے قیام کا مقصد رحمت عالم ﷺ کے عالمگیر پیغام کو عالم انسانیت تک پہنچانا ہے۔اس میں صوفیاء کا طریقہ ابلاغ اختیار کیا۔اس کی مثال آپ کا درسِ مثنوی ہے۔(۲۱)

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ
(ابراہیم:24)
جمالِ نقشبند
سلسلہ نقشبندیہ نیریاں شریف
ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی
صدر مرکز تحقیق فیصل آباد

41۔ حضرت پیر محمد علاؤالدین صدیقی مدظلہ العالی

سلسلہ نقشبندیہ کے تذکار کا خاتمہ ہم اُس وجود پر کر رہے ہیں جو اس تحریر کا محرک بنا تھا۔ پیر محمد علاؤالدین صدیقی مدظلہ کی ذات سے اس دور کے متوسلین کو وہ اعتماد حاصل ہوتا ہے جو اسلاف کے کارناموں پر یقین کا باعث ہے۔ اگر اس دور انحطاط میں ہی ایسے راہنما موجود ہیں تو گذشتہ صدیوں کے اکابر کیسے ہوں گے؟ اسلاف کے تذکروں سے بعد میں آنے والے اپنا بھرم قائم رکھتے ہیں اور اپنی نیک نامی سے اُن کے وقار کی دلیل بنتے ہیں۔ یہی نیک نفسی اور خوش معاملگی کا تسلسل ہوتا ہے۔ پیر صاحب کو سلسلہ تصوف کی عظمت اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہوئی۔ گلستانِ روحانیت میں یہ ایک نوزائیدہ شاخ ہے کہ اس کی جڑیں ماضی بعید تک پھیلی ہوئی نہیں ہیں۔ بلاشبہ گھرانہ حسنات کی کفالت کرتا آرہا تھا اور دینی اقدار کی پرورش اس خاندان کا امتیاز رہا تھا مگر مسند نشینی کی میراث نہ تھی ایک مرد خوش اطوار نے ایک تعلق کو اپنی شناخت بنایا اور

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

کا ثبات حاصل کیا، تاریخ تصوف میں ایسی کم مثالیں ملتی ہیں کہ پہلا قدم ہی عظمت نشان بن گیا ہو اور یہ بھی کہ ایسی عظمت کا اعتراف اس تیزی سے ہوا ہو، اس پر یہ گھرانہ جتنا بھی ناز کرے کم ہے مگر اس کا دوام اس عظمت کی حفاظت میں پنہاں ہے، حالات کی چال گواہی دے رہی ہے کہ یہ سفرِ خیر یقیناً سفر نصیب ہوگا۔

حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی محنت آپ کی حیات ظاہرہ میں ہی ثمر بار ہو گئی تھی ، نیریاں شریف کے جنگل نما خطے میں جو شجر حسنات حضرت بابا جی محمد قاسم موہڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے کاشت کیا تھا وہ تقدس میں بوئے جانے والے شجر نخیل کی طرح تاریخ کا جزو بن کر ہی زندہ نہیں رہا بلکہ اپنی لہلہاتی شاخوں کے حوالے سے اب بھی پر بہار ہے۔ تاریخ کے سینے میں رفعتوں کے کئی ایسے نشان دفن ہیں کہ صرف یادگار ہیں۔ کھلے اور مرجھا گئے صرف یاد چھوڑ گئے، عظمتوں کی کاشت کا سب سے بڑا المیہ یہ ہوتا ہے کہ وہ غنچہ آسا ہی ہوں کہ بکھر جائیں، خوش قسمت ہوتا ہے وہ سلسلہ جو پوری آب و تاب سے پھیلے اور پھیلتا ہی جائے۔ نیریاں شریف کی شاخِ تصوف نے پر بہار رہنے کا حوصلہ پالیا ہے، خواجہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف یہ کہ اپنی زندگی کو تابدار بنایا اپنی نسل میں بھی سدابہار رہنے کا جوہر ودیعت کر دیا، نیکی کبھی بھی تنہا نہیں رہتی اس کی مہکار گرد و نواح کو عطر بیز ضرور کرتی ہے نیریاں شریف کے شجر حسنات کے ساتھ یہی معاملہ ہوا۔ پیر علاؤالدین صدیقی مدظلہ کے کندھے پر بہت بڑی ذمہ داری آن پڑی تھی ،سب کی نظریں ایک وجود پر تھیں کہ اس خاندان کی روحانی وسعت کی حفاظت کے ساتھ ساتھ معتقدین و متوسلین کو اک سلک جواہر میں پروئے رکھنا بھی آپ کی ذمہ داری تھی پیر صاحب کی خوش قسمتی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذمہ داری نبھانے کا حوصلہ بھی دیا تھا اور نشر خیر کا سلیقہ بھی عطا کیا تھا۔ یہ کوئی تاریخ کے دھندلکوں میں اٹی ہوئی داستان نہیں۔ لاکھوں انسانوں کا مشاہدہ ہے کہ حضرت پیر صاحب نے کس ہوش مندی اور کس عزم کے ساتھ شجر غزنوی کی آبیاری کی ہے کہ آج یہ سلسلہ تصوف نقشبندیت کا ایک معتبر حوالہ ہے جہاں مجددی ایقان پرورش پاتا ہے۔

حضرت پیر صاحب کو قدرت نے نیریاں شریف سے ایسی نسبت عطا کی کہ 1938ء میں جب آپ پیدا ہوئے تو یہ خاندان نیریاں شریف میں سکونت اختیار کر چکا تھا۔ والدہ ماجدہ کشمیر سے ہی تعلق رکھتی تھیں اور یہ حضرت خواجہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی پہلی اہلیہ تھیں، آپ صاحبزادگان میں سے دوسرے تھے کہ پیر نظام الدین قاسمی رحمۃ اللہ علیہ سب سے بڑے بیٹے تھے۔ عمروں کا زیادہ تفاوت نہ تھا اس لئے ابتدائی مشاغل میں ہم عناں رہے، تعلیم کا سلسلہ بھی اکٹھے ہی شروع کیا اور مقامی سکول سے ہی ابتداء کی، حیرت ہے کہ یہ افغان مہاجر خاندان تعلیم کے بارے میں کس قدر محتاط تھا کہ موجود ذرائع کی کم دستیابی کے باوجود سلسلہ تعلیم موخر نہ ہونے دیا۔ حضرت خواجہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کو یہ ذوق ابتداء سے ہی ودیعت ہوا تھا۔ حالات کی ناسازگاری کے باوجود مروجہ تعلیم کا ادارہ قائم کر دیا جہاں قرب وجوار کے طلبہ جو علمی پیش رفت سے آشنا نہ تھے جوق در جوق آنے لگے۔ یوں اشاعتِ علم کا سلسلہ جاری ہو گیا، اس گھرانے کا مزاج دنیاوی تعلیم کا زیادہ شائق نہ تھا۔ نوشت وخواند کی منزل کا ہدف دینی تعلیم ہی تھا۔ اس لئے جونہی حرف شناسی کا جوہر پیدا ہو گیا اور ضروری اسباق پڑھ لئے تو مقصود کی جانب رُخ ہو گیا۔

تعلیم:

دینی درسیات میں مہارت کے لئے جامعہ رحمانیہ ہری پور کے اساتذہ مولانا فضل الرحمن حافظ محمد یوسف اور مولانا غلام محمود صاحبان سے استفادہ کا فیصلہ کر لیا گیا کہ ان اساتذہ کی شہرت تھی اور دور دور سے تلامذہ ان کے سامنے زانوے تلمذ طے

کرنے کے لئے حاضر ہوتے تھے۔آپ بھی ان متلاشیانِ علم میں شامل ہو گئے جو دن رات جامعہ ہی میں بسر کرتے تھے۔طالبانہ زندگی ایک سچے طالب علم کی طرح گزاری، نہ ایک ابھرتی ہوئی مسند کا خیال سدراہ بنا اور نہ والد گرامی کی وقیع شخصیت کسی برتر رجحان کا سبب بنی، ہری پور میں آپ نے فنون کی ابتدائی کتابیں پڑھیں جس سے اساس علم میں قابل اعتماد استحکام پیدا ہوا۔پھر مزید پیش رفت کے لئے اُس درسگاہ میں آ گئے جس میں آپ کے والد گرامی کا فیض جاری تھا۔حضرو ضلع اٹک میں ایک پروقار دارالعلوم جامعہ حقائق العلوم کے نام سے موجود تھا جس کی سرپرستی مفتی ہدایت الحق رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھی، مفتی صاحب مرحوم درسیات کے فاضل اساتذہ میں سے تھے۔علوم وفنون کی مہارت کے ساتھ باطنی راہنمائی کا بھی عمدہ سلیقہ رکھتے تھے کہ آپ نے خواجہ غلام محی الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ سے سلوک کی تعلیم پائی تھی اور خلافت کا شرف حاصل کیا تھا، حضرو میں کتب متداولہ میں سے خاص طور پر مشکوٰۃ المصابیح اور تفسیر جلالین کا درس لیا، ارباب فن جانتے ہیں کہ تفسیر جلالین، علم تفسیر کے طلبہ کے لئے ابتدائی مہارت اور کامیاب پیش رفت کا ذریعہ ہے، دو جلالت مآب مفسروں کی علمی منزلت کا نشان ہے اور تفسیری ادب کے لئے لائق اعتماد ابتدائیہ ہے۔ اس مختصر تفسیر میں جہاں جلال الدین المحلّی رحمۃ اللہ علیہ کے علم کی سطوت ضوفشاں ہے تو وہیں امام جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمہ جہت مہارت جلوہ فگن ہے۔اگر کوئی طالب علم اس تفسیر کا پورے سلیقے سے کامیاب مطالعہ کر لے تو تفسیری ادب سے اُس کی شناسائی قابل اعتماد ہوتی ہے۔حدیث سے کسب فیض کے لئے مشکوٰۃ المصابیح ایک لازمی اور ایک کامیاب وسیلہ ہے مشکوٰۃ کا حرف حرف سطح ذہن پر دمک دینے لگے تو حدیث کے

مطالعہ کی راہیں روشن ہو جاتی ہیں یوں سمجھئے کہ تفسیر جلالین اور مشکوٰۃ المصابیح دینی علوم کے اساسی حوالے ہیں۔ یہ حوالے مضبوط رہیں تو شاہراہ علم پر طالب علم کے قدم کبھی نہیں لڑکھڑاتے۔ حضرت پیر صاحب نے ان بنیادی کتابوں کا مفتی ہدایت الحق رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سایہ درس لیا اور لفظ کی حرمت سے آشنا ہوئے یہی سبب تھا کہ پھر تکمیل درسیات تک کوئی رکاوٹ سنگِ راہ نہیں بنی۔

آہستہ آہستہ کامیاب پیش رفت جاری رہی۔ ہیکلی میں ہدایہ شریف کے مشکل مراحل طے کئے تو تکمیل درسیات کے لئے جامعہ نعیمیہ لاہور آگئے جہاں مفتی محمد حسین نعیمی رحمۃ اللہ علیہ کا سجادہ علم دراز تھا، مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ درسیات کے ماہر، دقائق آشنا اور معارف کے کامیاب استاد تھے۔ آپ کا نو تعمیر مدرسہ جامعہ نعیمیہ اب تک لاہور کی فضاؤں میں کامیاب ارسالِ علم کی شہرت رکھتا ہے۔ دالگراں چوک سے شروع ہونے والے یہ منبع علم، اعتماد علم کا ایسا حوالہ ہے کہ اب تک شہرت کے آسمان پر ہے۔ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مربوط طرز تکلم کے ماہر تھے اور درپیش مسائل کو روایت و درایت کی اساس پر حل کرنے پر قدرت رکھتے تھے۔ مفتی رحمۃ اللہ علیہ کے قرب نے پیر صاحب میں استنباط و استخراج کا وہ جوہر پیدا کر دیا جو آپ کی ہر تقریر اور ہر تحریر کا امتیازی نشان ہے۔ جامعہ نعیمیہ ہی تھا جہاں پیر صاحب نے تکمیل درسیات کی منزل پائی۔ بظاہر مروجہ علوم کی تحصیل کا مرحلہ مکمل ہو گیا تھا مگر علم کا متلاشی کبھی سیر نہیں ہوتا، سوچا کہ دینی علوم کی اساس قرآن مجید اور احادیث مبارکہ ہی ہیں۔ باقی علوم تو ان تک رسائی کے وسائل ہیں اس لئے قرآن مجید کے رموز تک رسائی کے لئے ایسا استاد چاہیے جو بحر الحقائق ہو اور متلاشیانِ علم کو سیراب کرنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہو۔

قرآن فہمی کے جذبے نے وزیر آباد کا سفر کرایا جہاں ابوالحقائق مولانا عبدالغفور ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ کی مسند علم بچھی تھی اور قرآنی علوم کے متلاشی طالب علم دور دور سے وزیر آباد کا رُخ کر رہے تھے پیر صاحب کا تو مشن ہی یہی تھا کہ ہر اُس در پر دستک دی جائے جہاں کوئی فیض رساں صاحب علم موجود ہو، چنانچہ وزیر آباد آ گئے اور دورہ قرآن میں شریک ہو گئے۔ باخبر سامع پیر صاحب کے ارشادات میں بعض اوقات مولانا ہزاروی مرحوم کی آواز سنتا ہے۔ وہی بااعتماد لہجہ، وہی استخراج مسائل کی سطوت اور وہی سامعین کو اپنی گرفت میں لے لینے کی قوت، وزیر آباد میں ترجمہ قرآن پڑھا کہ وہاں لفظ لفظ پر عقیدت کا پہرہ تھا اور حرف حرف کی حرمت کا احساس تھا۔ تفسیری نکات سے بہرہ ور ہوئے کہ کس طرح قرآن مجید کے حرف حرف سے عظمتِ رسالت ہویدا ہوتی ہے۔ یہ طرز استدلال آج بھی پیر صاحب کے ہر جملے سے عیاں ہے۔

قرآن مجید کے اسرار سے فیض یافتہ یہ طالب علم لائل پور کا راہی ہوا کہ وہاں علم کو وقار عطا ہوتا تھا۔ قرآن اگر الٰہی فرامین کا مجموعہ ہے تو حدیث ان فرامین کی عملی تطبیق کی حکایت ہے۔ حدیث کے مطالعہ کے بغیر قرآن مجید کی علمی تعبیر سامنے نہیں آتی اور قرآن مجید ایک ضابطہ حیات کی صورت نہیں لیتا۔ لائل پور میں درس حدیث کا منصب حضرت شیخ الحدیث مولانا سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل تھا۔ حضرت شیخ الحدیث کا طرز تدریس حروف والفاظ سے لغوی ومعجمی آشنائی پر ہی کفایت نہ کرتا تھا بلکہ ہر ہر کلمہ کے ورے ذاتِ رسالت کی موجودگی کا احساس دلاتا تھا یہاں حدیث پڑھائی ہی نہ جاتی تھی۔ اس کا وجدان عطا کیا جاتا تھا۔ پیر صاحب اس وجدان کے متلاشی تھے اس

لئے لائل پور (اب فیصل آباد) آ گئے۔ مختلف اساتذہ سے استفادہ کیا۔ یہ استفادہ دراصل حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی حاضری کی تمہید تھی مولانا حافظ احسان الحق رحمۃ اللہ علیہ مولانا سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر اساتذہ سے کسب فیض کر ہی رہے تھے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حلقہ درس میں بلا لیا حالانکہ تیاری کے مراحل مکمل طور پر طے نہ ہوئے تھے۔ محسوس ہوتا ہے کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کی کیمیا گر نظر نے بھانپ لیا تھا کہ اس طالب علم کو مزید تیاری کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تیز رو طالب علم اب اختتامی تربیت کا مستحق ہو چکا ہے۔

جامعہ رضویہ فیصل آباد کے علمی ماحول نے مشکل سے مشکل اسباق اس تیزی سے ازبر کرائے کہ دورہ حدیث سے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈھل جانے کا ذوق فراواں ہو گیا، حضرت پیر صاحب کا منتہی علم، قرب کی منزلوں سے آشنا ہوتا جا رہا تھا کہ حضرت شیخ الحدیث رحمۃ اللہ علیہ کا علمی فیضان احاطہ کئے ہوئے تھا۔ دارس و مدرّس مطمئن تھے کہ منزلِ مراد قریب آتی جا رہی ہے۔ آخر دستارِ فضیلت سجا دی گئی۔ یہ دستار رسمی نہ تھی۔ حقیقتاً دستارِ عظمت تھی۔ واپس لوٹے تو وہ نہیں تھے جو جامعہ رضویہ میں آئے تھے ایک بدلی ہوئی شخصیت ایک مکمل نیا وجود جس کے دامن میں علم کی خیرات بھی تھی اور حسنات کی سوغات بھی۔

تکمیل علم کے بعد نیریاں شریف تشریف لائے، والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ جو رفعتِ علم چاہتے تھے حاصل ہو چکی تھی، ایک ایسا جوان سامنے تھا جو ترویج خیر کا عزم لئے ہوئے تھا اور اس عزم میں صلاحیت بھی نمایاں تھی حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد کے مطابق کہ خلافت کے لئے تین شرائط ہیں۔ علم، عمل اور اخلاص والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ نے

ہر جانب صلاحیتوں کی جولانی دیکھی تو خلافت سے نواز دیا۔ یہ مستقبل کے کارہائے نمایاں کی تمہید تھی۔ پیر صاحب نے خلافت کو اعزاز سے زیادہ ذمہ داری سمجھا اور ہمہ تن اس ذمہ داری کو نبھانے کے لئے کمر بستہ ہوگئے، نیریاں شریف کے باسیوں پر ہی نہیں، کشمیر و پاکستان کے اطراف میں خلافت کا یہ فیضان پھیلتا چلا گیا حتّٰہ برصغیر کے باہر ممالک غیر میں بھی اس کے اثرات نظر آنے لگے، یورپ کا سفر پیر صاحب کا ہمیشہ سے معمول رہا کہ مشکل مراحل سے گزرنا آپ کو زیادہ پسند تھا اور یہ کہ یورپ کا ناآشنا ماحول متقاضی تھا کہ وہاں دینِ حق کی روشنی عام کی جائے، یہ یقیناً دشوار گزار مرحلہ تھا کہ مادی آسودگیوں میں غرقاب انسان روحانی عظمتوں سے بے بہرہ ہوتے ہیں مگر یہی تو وہ کام ہے کہ مردانِ خیر کو کرنا ہے اور اس اعتماد کے ساتھ آیا کہ۔

مرد باید کہ ہراساں نہ شود

پیر صاحب اسی عزم بلند کے ساتھ ہر مشکل سے ٹکرانے کا حوصلہ پا کر میدان تبلیغ میں اُترے۔ کشمیر کی وادی کو تو مرکز ہونے کا شرف حاصل تھا۔ آپ نے اسی کو مرکز بنایا اور اپنے مشن کا آغاز کیا۔ 1966ء کا سال وہ انقلابی دورانیہ ہے کہ آپ لندن کی سرزمین کو اپنی جولاں گاہ بنانے کے لئے وہاں تشریف لے گئے۔ برطانیہ میں مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد بس چکی تھی۔ حصول رزق کے متعدد ذرائع دریافت ہو چکے تھے۔ مالی معاملات سے ذرا فراغتِ ہوئی تو عاقبت کی فکر بھی ہونے لگی۔ مسجدیں تعمیر ہونے لگیں، دینی اجتماع منعقد ہونے لگے، تبلیغی ضرورت کے تحت مبلغین وواعظین کی ایک کثیر تعداد برطانیہ کو مسکن بنانے لگی مگر

ظرف کی تشنہ لبی محتاجِ ساقی تھی ابھی

یہی احتیاج پیر صدیقی مدظلہ کو برطانیہ لے آئی۔ راہنمائی کا سلیقہ حاصل تھا اور حالات کے تقاضوں سے بھی باخبری تھی بہت جلد پذیرائی ملی، شہر شہر اجتماع ہونے لگے اور ایک مربوط سلسلہ رشد قائم ہو گیا ایک مضبوط حلقہ اس مشن کی ترویج میں ہم راہ ہوا اور برطانیہ کے قریہ قریہ سے خوش آمدی دعوت نامے ملنے لگے۔ نیریاں شریف کا سلسلہ مائل بہ عروج تھا کہ خبر ملی حضرت خواجہ غلام محی الدین غزنوی رحمۃ اللہ علیہ کی طبیعت بہت ناساز ہے اور اضمحلال بڑی تیزی سے جسم میں سرایت کرتا جا رہا ہے۔ جب اطلاعات تشویش ناک حدوں کو چھونے لگیں تو آپ نے واپس آنے کا فیصلہ کر لیا۔ اگست 1974ء کو نیریاں شریف آ گئے۔ والد گرامی کی ناسازی طبع اندوہناک ہوتی جا رہی تھی چنانچہ فیصلہ کر لیا گیا کہ راولپنڈی لے جایا جائے اور ملٹری یا سول ہسپتال میں علاج کرایا جائے۔ یہ سب اہتمام پیر صاحب کی نگرانی میں ہوا۔ ملٹری ہسپتال میں جتنے روز بھی قیام رہا آپ اپنے والد گرامی اور مرشد کریم کے پہلو میں رہے مگر تقدیر کا فیصلہ نافذ ہو چکا تھا۔ تقریباً چھ سات ماہ کی کشمکش کے بعد حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کی روح آسمان کی بلندیوں کی جانب پرواز کر گئی یہ 11 اپریل 1975 دوپہر کا سماں تھا کہ نیریاں شریف کا راہنمائے اول اپنا مشن مکمل کر کے تہہ خاک آسودہ ہو گیا۔

حضرت پیر صاحب کو خلافت تو مل چکی تھی اب مسند نشینی کا مرحلہ تھا سات برادران تھے اور سات ہی چچا زاد اس طویل کہکشاں سے کسی ایک کو یہ منصب سنبھالنا تھا۔ حالات تو فیصلہ دے چکے تھے اب صرف رسم باقی تھی برادران کی نظر کا مرکز بھی ایک تھا اور عم محترم رحمۃ اللہ علیہ کا فیصلہ بھی یہ تھا کہ پیر صدیقی مدظلہ اس مسند نشینی کے حقدار ہیں

چنانچہ اتفاق واتحاد سے آپ کو مسند آرائے نیریاں شریف مقرر کردیا گیا اس طرح ایک خانقاہ کی سربراہی بھی آپ کو ودیعت ہوئی کہ مسند کے قیام کے مقاصد وفرائض آپ پہلے سے ہی ادا کررہے تھے۔

مسند نشینی:

حضرت پیر علاؤالدین صدیقی مدظلہ 1975ء سے نیریاں شریف کے حلقہ احباب کے صدر نشین بنے حیرت ہے کہ آپ کا تبلیغی ولولہ پہلے سے بھی فزوں تر ہوا حالانکہ عام مشاہدہ یہ ہے کہ مسند نشینی فعالیت کی راہ میں رکاوٹ بنتی ہے۔عقیدتوں کا ہالہ ست رو بنادیتا ہے اور سہولتوں کی فراہمی آرام طلبی کو دعوت دیتی ہے مگر پیر صدیقی مدظلہ کے ہاں فعالیت پر جوبن آیا اور حرکت زیادہ پرخروش ہوئی، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمہ جہت عمل پسندی کو فروغ ملا اور کام کرنے کی دسترس مزید جوان ہوئی، نیریاں شریف کو ظاہری طور پر بھی ایک مسند بنادیا گیا اور روحانی برکات کی بھی فراوانی ہوئی۔حضرت قبلہ عالم رحمۃ اللہ علیہ کا دیدہ زیب مزار زائرین کی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار پایا تو سجدہ گذاری کا ذوق مسجد کی زیبائی اور وسعت نے اور توانا کردیا۔اب نیریاں شریف ایک مرکز تھا جہاں سے عشاق کے قافلے پارسائی کے ہالے میں گزرتے اور دورونزدیک کو ذوقِ بندگی عطا کرتے۔چک بیلی خان جو ابتداء ہی سے شوقِ عبادت کا نشان تھا شب زندہ دار وجود کا روپ دھار گیا۔اقبال نگر کا اقبال جاگا کہ

جھکنے والوں نے رفعتیں پائیں

اقبال نگر سجدہ گذاروں کا ایک مضبوط پڑاؤ بن کر اب گردونواح کو مہکا رہا ہے۔لالہ موسیٰ کے عقیدت مند بھی قرضِ محبت ادا کرنے میں کسی سے پیچھے

نہیں۔ گجرات، گوجرانوالہ اور لاہور نقشبندیت کے روشن نشان قرار پائے فیصل آباد
تو مرکزی مقام بنا کہ یہاں ایک وسیع اور عظیم مسجد کی تعمیر آخری مراحل میں ہے۔
طلبہ وطالبات کے لئے ایک لائق فخر تعلیمی ادارہ زیر تعمیر ہے۔ادارے کی وسعت دیکھ
کر نقشبندیت کے دامنِ کرم کا پھیلاؤ یاد آتا ہے۔

یورپ میں پیر صاحب کے عملی اقدامات بہت بارآور ہو رہے ہیں
پیر صاحب نے برمنگھم کے شہر کو اپنی مساعی کا مرکز بنایا۔ برطانیہ اور پھر برمنگھم کے
مہنگے شہر میں 8 کنال رقبہ اور بھی مرکزی علاقے میں ایک کاردار رہے جہاں ایک
خوبصورت مسجد کی تعمیر پیر صاحب کی حسن جمالیات کی شہادت دیتی ہے۔اتنا بڑا ہال
کہ ہزاروں نمازی سجدہ ریز ہو سکیں پھر چاروں طرف دیدہ زیب رہائش گاہیں
جو طلبہ واساتذہ کے لئے آرام گاہیں ہیں ایک بہت بڑے علمی مرکز کا نقشہ پیش کرتی
ہیں، راقم الحروف کو اس ادارے میں چند روز قیام کا موقعہ میسر آیا تھا، ایک علمی فضا
ہے جو چاروں طرف جلوہ فگن ہے۔ یہاں پیر صاحب کی زیر نگرانی تبلیغی وتدریسی
اجتماع ہوتے ہیں جن میں حاضرین وسامعین کی تعداد برصغیر پاک وہند کے کسی
کامیاب اجتماع سے کم نہیں ہوتی مزید یہ کہ حاضرین کا شوق وولولہ دیدنی ہوتا ہے
وہاں حاضر ہو کر پیر صاحب کی مساعی کی کامیابی نظر نواز ہوتی ہے۔ بلاشبہ دیارِ غیر کو
مانوسیت کی یہ فضا مہیا کرنا پیر صاحب کا عظیم کارنامہ ہے۔ یہ صرف برمنگھم پر ہی منحصر
نہیں پورے برطانیہ میں علمی جمال اور صوفیانہ جلال کا روح پرور منظر ہر کہیں دکھائی
دیتا ہے۔تحریر کنندہ ایسے روحانی اجتماعات کا چشم دید گواہ ہے۔سبحان اللہ

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

برطانیہ کے علاوہ پیر صاحب دیگر یورپی ممالک میں بھی آتے جاتے رہتے ہیں۔یورپ کا تفصیلی دورہ بھی حال ہی کی بات ہے۔ناروے خصوصی طور پر دو مرتبہ جا چکے ہیں۔کینڈا کا بھی دو دفعہ دورہ کر چکے ہیں امریکہ بھی دوبار گئے ہیں ۔یہ سب دورے تبلیغی تھے۔ہر جگہ سے اللہ ہو کی صدائیں بلند ہوئی ہیں۔ان دوروں کے اثرات کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ سال گذشتہ یورپ کے عمومی دورے کے دوران میں تقریباً بیس ہزار یورپین باشندے اور آبادکار لوگ حلقہ ارادت میں آئے ہیں پاکیزہ نفسی کی ایسی بہار آئی ہے جو بتدریج سارے یورپی ممالک کو محیط ہوتی جارہی ہے۔

حال ہی میں پیر صاحب کا عزم جواں تعلیم بنات کی طرف متوجہ ہوا ہے دو کالج برائے خواتین پہلی پیش رفت ہے ،عمارات خریدی گئی ہیں اور ماہر اساتذہ تعینات کئے گئے ہیں اور برمنگھم میں اور مانچسٹر کے قریب برنڈلے میں خواتین کے تدریسی پروگرام کا آغاز ہو چکا ہے، یہ تعجب کی بات ہے کہ برطانیہ جیسے تعلیم یافتہ ماحول میں تعلیم وتدریس کے ساتھ تہذیب نفس کا کفیل ادارہ پورے برطانیہ کی توجہ لے رہا ہے پرخلوص کاوش یوں ہی بارآور ہوتی ہے کہا جاتا ہے کہ خلوص ایک ایسا جوہر پارہ ہے جو اپنی روشنی سے منور رہتا ہے اُسے کسی خارجی روشنی کی ضرورت نہیں ہوتی۔

نفاذِ اسلام کی کوشش:

پیر صاحب صرف مسند نشین ہی نہیں نہایت متحرک مبلغِ اسلام بھی ہیں، آپ کے شب و روز ترویج اسلام اور نفاذ اسلام کی جدوجہد میں بسر ہوتے ہیں اور جب کبھی کسی جانب سے نفاذِ اسلام کی تحریک اٹھتی ہے آپ اپنے منصب اور مسند کو بھول کر پیچھے چلنے پر تیار ہو جاتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مشن کے ساتھ کس قدر اخلاص ہے وگرنہ بڑی سے بڑی تحریکیں بھی حصول قیادت کے افتراق کا شکار ہو کر دم

توڑ دیتی ہیں، ایسا ہی ایک واقعہ کشمیر کی تاریخ کا حصہ ہے۔ دعویٰ کیا گیا کہ حکومتی سطح پر اسلام کے نفاذ کی کاوش کرنا ہے۔ کشمیر کے اکابر سیاستدان سردار عبدالقیوم خان اور سردار سکندر حیات خاں بھی اس تحریک کے دمساز تھے۔ نیریاں شریف میں عظیم اجتماعات ہوئے۔ سردار صاحبان خود تشریف لائے، تحریک کے مقاصد بیان ہوئے تو اعانت کا اعلان کیا کہا یہ گیا کہ جب وہ خود بھی اسلام کی حاکمیت کے قائل ہیں تو انکار کیسا ایک سازگار ماحول تشکیل پا گیا اور نفاذِ اسلام کی منزل قریب نظر آنے لگی، صادق الیقین مسلمان خوش تھے اور یوم نجات کا انتظار کرنے لگے تھے مگر یہ بھرپور تحریک بھی کامیاب نہ ہوسکی کہ پرخلوص اظہار ہمیشہ دل کی آواز نہیں ہوتا اور جذبے ہمیشہ صداقت شعار نہیں ہوتے۔ پیر صاحب کی شب و روز کی محنت یوں ضائع ہوئی تو صدمہ ہوا کہ تمام جدوجہد پادر ہوا ثابت ہوئی مگر یہ ناکامی مایوسی میں نہ ڈھلی، کوشش مسلسل جاری رہی۔ آل پاکستان سنی کانفرنسوں میں شرکت اسی خواب کی تعبیر کے لئے تھی۔ سچ ہے ارادے باندھنا ہی انسان کے بس میں ہے کامیابیاں تو قدرت کا انعام ہوتی ہیں۔

برداران کی تربیت:

پیر صاحب پر مسند کی ذمہ داری کے ساتھ برادران کی راہنمائی اور تربیت کا بوجھ بھی تھا، برادران میں سے زیادہ ابھی زیر تعلیم تھے۔ اُن کی تعلیم کا انتظام کر کے سرپرستی کا حق ادا کیا گیا، پھر صرف درسی تعلیم پر ہی اکتفا نہ کیا، تربیت کے مراحل میں بھی راہنمائی کی، اخلاقی راہبری اس دور کا سب سے مشکل مرحلہ ہے۔ مسلم تہذیب وثقافت سے آگہی عصر حاضر کا سب سے بڑا فریضہ ہے۔ صوفیاء کا تو کردار ہی تہذیب اسلامی کے نفاذ سے واضح ہوتا ہے۔ تہذیب دراصل اُن غیر ضروری شاخوں کے کاٹنے کا نام

ہے جو ابھرتے ہوئے درخت میں اُگ آتی ہیں اور شجر کو پر بہار نہیں رہنے دیتیں اسی طرح انسان کے اعمال و کردار سے وہ غیر مناسب لاحقے جدا کرنا ایک ماہر نگران کا کام ہوتا ہے۔ اسے ہی تہذیب کہتے ہیں، ثقافت تنوں کو سیدھا کرنے کا نام ہے کہ غیر مناسب جھکاؤ کسی اور کی نشوونما میں حائل نہ ہوجائے۔ تہذیب اگر وجود کی راستی کی حفاظت ہے تو ثقافت معاشرے کے نامناسب دباؤ کا سدباب کرنے کو کہتے ہیں۔ صوفیاء اپنے معتقدین کے لئے تہذیب نفس کا فریضہ بھی انجام دیتے ہیں اور معاشرتی حسن کے قیام کا بھی۔ پیر صاحب کے ذمے یہ دوہرا فریضہ تھا جو آپ نے اس احسن طریق سے نبھایا کہ آج کردار کی پکی ہوئی فصل تربیت کے حسن کی گواہ ہے، سب برادران نقشبندیت کے فیضان کے مظہر ہیں اور دین حق کی چلتی پھرتی تصویریں ہیں۔

محی الدین اسلامی یونیورسٹی:

پیر صاحب کا ذہنی جھکاؤ شروع ہی سے اشاعت علم و حکمت کی طرف تھا اس لئے آپ جہاں موقعہ ملتا تدریسی و تربیتی کام کا آغاز کردیتے۔ یوں بہت سے ابتدائی ادارے معرضِ وجود میں آئے مگر یہ ادارے پیر صاحب کے عزم بلند کی تسلی کے لئے کافی نہ تھے، خیالات کی گردش کسی بڑے منصوبے کی تحریک دے رہی تھی، دل و دماغ کا مجموعی فیصلہ کسی لائق التفات تعلیمی ادارے کا قیام تھا، شب و روز یہی خیالات اُفق ذہن کا احاطہ کئے رہے حتّٰی کہ خوابوں میں بھی یہی خیالات امڈتے رہے۔ کہا جاتا ہے کہ خواب یا تو نامکمل خواہشات کی تکمیل کا اشارہ ہوتے ہیں یا آنے والے واقعات کا پیشگی عکس ہوتے ہیں، پیر صاحب کے ہاں دونوں صورتیں فعّال تھیں۔ ناتمام خواہش اتمام کی راہیں تلاش کر رہی تھی اور مستقبل کے ارادے خوابوں

میں جگمگانے لگے تھے۔ 1980 کا سال تھا کہ یہ خواہش منہ زور ہوگئی تھی۔ فرماتے ہیں کہ ایک خواب دیکھا کہ دربار کے سامنے غیر ہموار پہاڑی پر ایک عمارت ابھرتی ہوئی محسوس ہوئی، عمارت دیدہ زیب بھی تھی اور پرشکوہ بھی بس پھر یقین ہوگیا کہ خواب اپنی تعبیر کی طرف بڑھ رہا ہے۔ زمین کا جائزہ لیا۔ وسائل پر نظر ڈالی، احباب سے مشورہ کیا اور چند سالوں کی اندرونی تب وتاب ایک یقین میں ڈھل گئی۔

1988ء میں اللہ کا نام لے کر ایک ایسی عمارت کا سنگ بنیاد رکھ دیا جو پیر صاحب کے ذہنی نقشے کے مطابق تھی۔ اب کسی کی راہنمائی بھی درکار نہ تھی، خود ہی نقشہ نویس تھے خود ہی ماہر تعمیرات، خیال صورت مجسم میں ڈھلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے پہاڑ کی چوٹی ایک خوبصورت عمارت کا روپ لے گئی، خیال چونکہ حدود آشنا نہیں ہوتے اس لئے اُن کی تکمیل بھی بے کنار تھی، منزل پہ منزل تعمیر ہوتی گئی، کشادہ کمرے، پر بہار برآمدے یوں تعمیر ہوگئے کہ جیسے کسی ماہر تعمیرات کی نگرانی حاصل رہی ہو۔ سچی بات یہ ہے کہ صاحب خیال ہی بہتر صورت گر ہوتا ہے۔ عمارت تیار ہوگئی جو کشمیر کے بیشتر تعلیمی اداروں سے منفرد ہے، اس کی دیدہ زیبی ہی نشرِ علم کا پیغام ہے۔ یہ بھی حیرت کی بات ہے کہ جس نے ایسے اداروں میں تعلیم نہ پائی ہو، جو دینی مدارس کے فرش پر حصول علم کا جویا رہا ہو اُس کے وجدان میں ایک جدید یونیورسٹی کے خدوخال کیسے نمایاں ہوئے۔ یونیورسٹی بھی ایسی جو طلبہ کی تعلیمی سرگرمیوں کی بھی کفالت کرے اور رہائش کا وسیلہ بھی ہو۔

علم کدہ تو تیار ہوگیا اب مرحلہ اس کو آباد کرنے کا تھا۔ پیر صاحب نے اپنی مسندی عظمت کو اس تلاش میں حائل نہیں ہونے دیا۔ ہر اُس صاحب علم کے ہاں

گئے ،تعاون وراہنمائی کی اپیل کی ، یہ بھی اعتراف کیا کہ آپ ایسے اداروں کے انتظام وانصرام سے مانوس نہیں ہیں۔ یہ بھی ہمارے معاشرے کی بدقسمتی ہے کہ فیصلے ماضی کے تجربات کے مطابق کئے جاتے ہیں راہیں تلاش کرنے کی ہمیں عادت نہیں ،احباب نے خواہش کے اظہار کو سُنا اور ناممکن قرار دے کر رد کر دیا۔ کسی نے نرسری سکول بنانے کا مشورہ دیا تو کسی نے زیادہ سے زیادہ مڈل سکول کی تاسیس کی حوصلہ افزائی کی ، پیر صاحب جب بھی اس عمارت کو یونیورسٹی کہتے احباب مسکرانے لگتے اور خام خیال تصور کرتے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ عزم مصمم خارہ شگاف ہوتا ہے پیر صاحب کے پیش نظر یہ ارشاد ربانی تھا کہ

فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ. (آل عمران 159)

''جب عزم کرلو تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو''۔

اسی سلسلے میں راقم الحروف سے ملاقات ہوئی اور تذکرہ ہوا ، میرا نقطہ نظر یہ تھا کہ نیک ارادوں کے آگے بند نہیں باندھنے چاہییں ، نیکی ایک قوت ہے وہ خود راستہ بنالیتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ 1998ء میں مجھے یہ خدمت سونپی گئی۔ پیر صاحب کے جواں جذبے پر رحمت کا سایہ تھا ، دوسال کی جدوجہد کا نتیجہ محی الدین اسلامی یونیورسٹی نیریاں شریف کی صورت میں سب کے لئے حیرت کا باعث بنی ، اب تو ناممکن کہنے والے بھی دم بخود تھے ، یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تعمیر کے لئے محنت سے کئی گنا زیادہ عمل کے دوام کو حاصل ہوتی ہے۔ دعا ہے کہ یہ کار خیر مزید وسعتوں کا سبب بنے۔

محی الدین اسلامی یونیورسٹی کی راہ میں متعدد موانعات تھے ، دور دراز علاقہ ، سر بلند پہاڑی آنے جانے کی مشکلات ، اساتذہ کی فراہمی کی مشکل مگر ہمت جوان ہو تو

مشکلات راہ نہیں کاٹتیں، محکمانہ منظوری اور خاص طور پر پارلیمنٹ کا تعاون اس قدر دشوار ہوتا ہے کہ کئی کئی سال اس تمہیدی کاوش پر لگ جاتے ہیں مگر یہاں تو سارے دستور ہی بدل گئے، طلبہ کی ایک بڑی تعداد دور دراز کے علاقوں سے حصولِ علم کے لئے حاضر ہوگئی، اساتذہ بھی مل گئے اور یونیورسٹی پوری آب وتاب کے ساتھ دیگر یونیورسٹیوں کی صف میں شامل ہوگئی۔

محی الدین میڈیکل کالج میر پور:

یونیورسٹی کے قیام کے ساتھ ہی پیر صاحب کا فعال ذہن کسی اور کارنامے کے بارے میں سوچنے لگا۔ ذہنی آسودگی اور تربیتی استحکام کے ساتھ توانا جسم کی بھی ضرورت ہوتی ہے اس لئے میڈیکل کالج قائم کرنے کا فیصلہ کرلیا گیا، یہ مرحلہ دشوار تھا کہ اس کے لئے ایسی جگہ درکار تھی جو آمدورفت کے لئے زیادہ پیچیدہ نہ ہو، میر پور ایک جدید شہر ہے وہاں کی آبادی کا تعلق برطانیہ سے نہایت گہرا ہے اس لئے علمی پیش رفت اور خصوصاً جدید تعلیم کی طرف توجہ زیادہ ہے۔ میر پور سے متصل زمین خریدی گئی جو میڈیکل کالج کی تمام ضرورتوں کی کفالت کر سکے، تعمیراتی نقشوں پر وقت ضائع نہ کیا گیا۔ دو چار کالجوں کا جائزہ لیا گیا۔ وادی کشمیر میڈیکل کالج سے خالی تھی اس لئے پنجاب کے میڈیکل اداروں سے راہنمائی لی گئی اور ایک یادگار رات سنگ بنیاد رکھ دیا گیا۔ عمارت کی تعمیر شروع ہوئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ایک دیدہ زیب عمارت تیار ہوگئی جو جملہ ضرورتوں کے لئے کفالت کرتی ہے، اساتذہ کی دستیابی مشکل کام تھا مگر معاوضوں کی دلکشی نے یہ مرحلہ آسان کر دیا، مقصود مالی مفادات نہ تھے، تعلیمی سہولت تھی اس لئے ہر مرحلہ آسان ہوتا گیا۔ الحمد للہ داخلے ہو چکے پی۔ ایم۔ ڈی۔ سی کی

منظوری حاصل ہوگئی اور تدریسی عمل کا اجراء ہوگیا۔ یہ ایک اور کارنامہ تھا جو پیر صاحب کے مستحکم ارادے سے عملی شکل لے چکا اور کامیابی سے رواں دواں ہے۔

النور ٹیلی ویژن:

عصرِ جدید کے تقاضے متنوع پیش رفت کا مطالبہ کرتے ہیں، تبلیغی مساعی جدید الیکٹرونک آلات کی مدد سے دو آتشہ ہوجاتی ہے اور خیر کا پیغام لمحوں میں جغرافیائی حد بندیاں عبور کرلیتا ہے۔ ٹیلی ویژن آج کے دور کا مضبوط میڈیا ہے جس کی آواز بیک وقت پوری دنیا کو محیط ہوجاتی ہے۔ پیر صاحب کا ہمہ متحرک ذہن ہر دستیاب ذریعہ کو نشرِ حسنات کے لئے وقف کرنا چاہتا ہے اس لئے اس تجویز کو پذیرائی حاصل ہوئی کہ محی الدین ٹرسٹ کا ایک ٹیلی ویژن چینل ہونا چاہیے، تجویز ارادے میں ڈھلی اور حکومتی اداروں کو متوجہ کرلیا گیا۔ محنت تو ہوئی کہ مرحلہ آسان نہ تھا مگر کامیابی نصیب ہوئی اور النور ٹیلی ویژن کا برمنگھم سے اجراء ہوگیا، النور کی نشریات کا دائرہ پھیلتا چلا گیا اور بہت جلد ایک سو ستر ممالک کے سامعین و ناظرین النور ٹیلی ویژن سے نورِ علم وحکمت حاصل کرنے لگے پروگراموں کا تنوع اس تیزی سے بڑھا کہ ناظرین ہمہ وقت اسی کے ہورہے، پھر حضرت پیر صاحب کے اپنے ارشادات جن میں امتیازی شان درس مثنوی مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل رہی یوں گوش گذار اور نظر نواز ہوئے کہ النور کا فیضان گھر گھر اُترنے لگا۔

مثنوی کا درس درحقیقت روحانیت کا پیغام ہے جس نے مشرق ومغرب کو متاثر کیا ہے پیر صاحب کا اندازِ تدریس خلوص کے جذبوں میں ڈھلا ہوا ہے اپنے اور مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی سچی آواز کا پرتو ہے اس لئے بہت مقبول ہے سماعتوں کو بھی جھنجھوڑ

رہا ہے اور دلوں میں بھی انقلاب پیدا کر رہا ہے۔

مضامین و موضوعات کی کثرت کے ساتھ ذریعہ اظہار میں بھی تنوع رہا، عربی، اردو، پشتو، گوجروی، انگریزی، گجراتی، بنگالی کے علاوہ بھی بعض علاقائی زبان اظہار کی کفالت کرنے لگیں ماہر قلمکار، جید علماء دین اور معروف دانش ور، النور کی بہار کے ذمہ دار ہیں، النور کی نشریات نے پیر صاحب سے رابطوں کو ہمہ وقت مضبوط رکھا، دینی معلومات، ثقافتی پیش رفت اور اجتماعی میلانات کو اس خوبصورتی سے صفحہ سکرین پر نمودار ہوتے دیکھ کر ناظرین میں قلبی موانست اور ذہنی ہم آہنگی کی آبیاری ہوئی ہے اور عقیدت مندوں کو اپنے مرشد کے حضور حاضر رہنے کی سعادت ملی ہے، یہ مواصلاتی رابطہ روز بروز مستحکم ہو رہا ہے اور خیر کی مہک عام ہوتی جا رہی ہے۔

نقشبندیت کی اشاعت:

پیر صاحب نقشبندی سلسلے کے مسند نشین ہیں یہ نہ خاندانی جبر کا نتیجہ ہے اور نہ کسی مسند کی حاشیہ برداری کا ثمر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ پیر صاحب اپنے ذہنی جھکاؤ اور قلبی تعلق کی بنا پر نقشبندی ہیں، معمولاتِ زندگی دیکھ لیجئے یا معاشرتی رویے پرکھ لیجئے، ہر معمول سے اور ہر رویے سے نقشبندیت آشکار ہوگی، نقشبندی اکابر سے آپ کی والہانہ محبت ہر میلان سے نمایاں ہے۔ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے محبوب اکابر میں سے ہیں، اُن کا ذکر آجائے تو پرمسرت جنبش پورے جسم پر چھا جاتی ہے، ایک وارفتگی کا سماں ذکر مجدد کا لازمی نتیجہ ہے۔ متوسلین کو راہنمائی عطا کرنا ہو تو حوالہ مجدد رحمۃ اللہ علیہ کا مرغوب ترین حوالہ ہے، تمام سلاسل اولیاء کے عقیدت مند ہیں مگر سلسلہ نقشبندیہ کے غلام ہیں، یہی وجہ ہے کہ اوراد و وظائف کی تلقین سے بڑھ کر شریعت

مطہرہ کی متابعت پر زور دیتے ہیں، آداب شریعت کی پابندی نے انہیں نقشبندیت کا شیدا بنا دیا ہے۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے عقیدت مندانہ وارفتگی تو نام سے عیاں ہے، گفتگو کسی موضوع پر ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکرِ خیر ناگزیر ہے۔ یہ وابستگی کا دوام ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلاف ایک حرف بھی برداشت نہیں ہے۔ حال ہی میں برطانیہ کی فضاؤں میں تفضیلیت کا خمار اٹھا اور ایک تسلیم شدہ مسئلہ کو معرضِ فساد بنانے کی سعی کی گئی، حیرت ہوتی ہے کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے بھی ذاتی پسند وناپسند کا ہدف بن گئے ہیں، اس فسادِ فکری میں پیر صاحب کی استقامت دیدنی تھی اور ہے، نہ کوئی مصلحت آڑے آئی اور نہ کوئی خلجان سدراہ بنا، افضل البشر بعدالانبیاء ہونے کا یقین اس قدر راسخ تھا کہ اس چوبائی حملے کا پوری جرأت اور ایمان دارانہ اعتماد کے ساتھ مقابلہ کیا حتّٰی کہ حق کا روشن چہرہ روشن تر ہو گیا ایک مسند نشین صاحب سجادہ کی یہ استقامت سب کے لئے مشعلِ راہ ہے، پیر صاحب اس نعرہ مستانہ پر تبریک کے مستحق ہیں کہ عقائد ویقین کے اعتماد کو حوصلہ ملا ہے، النور ٹی وی نے اس حوالے سے شاندار خدمات انجام دی ہیں جس نے پیر صاحب کے ٹی۔وی چینل کے اجراء کے فیصلے کی توثیق کی ہے۔ راہنمائے قوم کا یہ منصب ہوتا ہے کہ وہ قوم کی صحیح دستگیری کرے۔ پیر صاحب نے اپنے منصب کا حق ادا کر دیا ہے جس پر آپ تحسین کے مستحق ہیں۔

اولاد:

پیر صاحب کو اللہ تعالیٰ نے دو بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا ہے۔ بیٹے

دنیاوی علوم کے ساتھ دینی علوم پر بھی تسلی بخش دسترس رکھتے ہیں۔سلطان العارفین جامعہ ازھر سے تعلیم پا چکے ہیں اور ایک باصلاحیت جوان ہیں۔ڈاکٹریٹ کے لئے سرگرم عمل ہیں۔چھوٹا بیٹا نور العارفین ہے جو دینی علوم میں مہارت کے ساتھ ساتھ یونیورسٹیوں کی تعلیم سے بھی بہرہ ور ہے اور لائق اعتماد علمی صلاحیت کا حامل ہے۔ دونوں صاحبزادے غزنوی مشن کو آگے لے جانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔یہ اس دور میں مسندوں کی ضرورت ہے جو نیریاں شریف کی مسند کو حاصل ہے۔

ارشادات:

پیر صاحب کی عمومی گفتگو بھی نصیحت افروز ہوتی ہے،آپ کا لہجہ اور آہنگ مسحور کن ہے،موضوع کوئی بھی ہو،بات کہنے اور سامع تک پہنچانے کا ملکہ آپ کو حاصل ہے۔خطبات میں تو ارسال معنی کا وہ اہتمام ہوتا ہے کہ سامع کسی علمی سطح کا بھی ہو گرویدہ ہوا جاتا ہے،الفاظ آبشار کی طرح اُمڈے آتے ہیں،حکایات و روایات تجسیم کی صورت لیتی ہیں۔درس مثنوی جو اپنی جاذبیت اور اثر آفرینی کے حوالے سے سامعین کے قلوب کو گرماتا ہے اس قدر مقبول ہوا ہے کہ النور ٹی۔وی کی شناخت بن گیا ہے،مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کی اشاراتی اور تلمیحاتی گفتگو جس سلیقے سے وضاحت کے مراحل طے کر رہی ہے کہ ہر سننے والا سپاس گزار ہے۔

تبلیغی دوروں میں اجتماعات کا انعقاد ہوتا ہے اور پیر صاحب کے مواعظ حاضرین کی سماعتوں میں رس گھولتے ہیں۔ہر گفتگو کسی مقرر موضوع پر ہوتی ہے تفہیم کی ضرورت نظم و نثر کا حوالہ لیتی ہے قرآن و حدیث کا نور ہر گفتگو کا امتیاز ہوتا ہے۔ صالحین کی حکایات موقع کی مناسبت سے بیان ہوتی ہیں کبھی گفتگو اس قدر پھیل جاتی

ہے کہ احساس ہونے لگتا ہے کہ موضوع کے دائرے سے نکل گئ ہے مگر سامعین کو
حیرت ہوتی ہے جب اچانک پیر صاحب موضوع پر پہنچ جاتے ہیں اس سے یہ یقین
آتا ہے کہ لفظوں نے بہکایا نہیں، پیر صاحب انہیں نہایت دانش مندی سے استعمال
کررہے ہیں یہ بارہا دیکھا کہ بیان کا زور بے قابو نہیں ہوا، حقیقت یہ ہے کہ
پیر صاحب جو کہنا چاہتے ہیں وہ ہمیشہ اُن کے پیش نظر رہتا ہے۔یہی کسی مقرر کی
کامیابی ہوتی ہے کہ وہ راستوں کی بھول بھلیوں میں گھر کا راستہ نہ بھولے۔

پیر صاحب کا زورِ کلام اور اندازِ گفتگو سماعتوں کے لئے ایک نایاب سرمایہ
ہے اس کا درست ادراک وہی کر سکے گا جو آپ کی محفل میں حاضر ہوا ہو۔تعجب کی بات
یہ ہے کہ مادری زبان پشتو ہے مگر اردو اس سلیقے سے بولتے ہیں کہ اہل زبان ہونے کا
گمان ہوتا ہے۔بعض احباب نے آپ کے ارشادات کو جمع کرنے کی کاوش بھی کی
ہے۔بہتر ہوتا کہ ایک قلمکار شب و روز ساتھ دیتا کہ گفتگو کو صفحہ قرطاس پر منتقل کر دیتا
تو اُن اصحاب تک بھی یہ روشنی پہنچ جاتی جو موجود نہ تھے۔حقیقت یہ ہے کہ جس قدر اس
حوالے سے کام ہونا تھا نہ ہوسکا۔تلافی مافات کا اب بھی موقعہ ہے کہ یہ ایک مسند نشین
کی گفتگو ہی نہیں نصیحت افروزی کے استعارے بھی ہیں۔

ذوق کی تسکین کے لئے چند ارشادات جو انیس صاحب نے مجھے کئے ہیں
درج کئے جارہے ہیں تا کہ فرمودات کی اہمیت کا اندازہ ہوسکے۔

٭جب علم و عمل مل جائیں تو علم جذبے دیتا ہے، عمل نشانِ منزل کا پتہ
دیتا ہے اور جب تقویٰ نشہ صبح گاہی دے تو محبوب کی بارگاہ سے آواز آتی ہے ''اُدنُ
منی'' میرے قریب ہو جاؤ۔

اگر چاہتے ہو کہ شکر کی توفیق ملے تو اپنے سے کمزور پر نظر رکھو، جھونپڑی میں رہنے والوں پر نظر رکھو گے تو شکر کی توفیق نصیب ہوگی اور ارشاد یہ ہے کہ

لَئِن شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ۔ (ابراھیم:7)

شکر سے نعمتوں میں اضافہ ہوجائے گا۔

☼ایک سوٹ کے بجائے دس سوٹ سلواؤ مگر پہننے کے بعد نظر عطا کرنے والے پر ہی رہنی چاہیے جو مال بندے اور بندہ نواز کے درمیان حجاب بنے اس سے غربت بدرجہا بہتر ہے جو بھوک تو دیتی ہے مگر دوزخ کی آگ تو نہیں دیتی۔

☼ تصوف اسلام کی روح ہے، نماز کو ہی لیجئے، اچھی طرح وضو کرو، صاف ستھرا پہنو، جگہ صاف ہو اور وقت صحیح ہو، قبلہ رو ہو کر اللہ اکبر کہہ کر ہاتھ ناف پر باندھ لو، رکوع وسجود تمام ارکان کی تکمیل کرو یہ سب لوازمات ہیں، نیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھ رہا ہوں، ظاہری شریعت آپ کو نمازی کہے گی مگر تصوف کہتا ہے کہ جو فعل جس کے لئے ہے اُس کے تصور میں اس قدر گم ہو جاؤ کہ اس کے قلب وروح میں اُتر کر آپ کو سرور کی کیفیت عطا کردیں، یہ سرور اور یہ قرب کی کیفیت تصوف ہے ارکان کی تکمیل شریعت ہے مگر ان کے نور وسرور کی کیفیت تک رسائی تصوف ہے۔

☼لوازمات حیات اور مقاصد حیات میں فرق ہے۔ بیوی، بچے، مکان، کاروبار، مال ودولت، عزت وشہرت جاہ وحشمت، یہ سب لوازماتِ حیات ہیں۔ مقاصدِ حیات، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ۔ (الذریت:56) میں بیان ہوئے ہیں لوگوں نے لوازماتِ حیات کو مقاصدِ حیات سمجھ لیا ہے جوان دونوں کے درمیان فرق نہیں کرتا وہ کامیاب انسان نہیں ہوسکتا، اولیاء کرام علیہم

الرحمۃ نے ہمیشہ اپنی توجہ مقاصد حیات پر مرکوز رکھی ہے لوازماتِ حیات کے لئے اتنا ہی حکم ہے کہ انسان اتنا کمائے جس سے ضروریات پوری ہوتی رہیں، محتاجی قریب نہ آئے تا کہ صبر وشکر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے، صبر وشکر کا مطلب ہے کہ جو مل گیا صبر کرو اور جس کے پانے کی تمنا ہے اُس کے ملنے تک صبر کرو اور یہ مسئلہ وعظ وتقریر سے حل نہیں ہوتا ہاں جس کا دل اللہ کریم اپنی توفیق سے اس طرف پھیر دے یا کسی صاحبِ نظر کی نظر کے نشانے میں آجائے۔

٭ دنیا کی دوستی صرف صحت وتندرستی کی حد تک ہے، انسان محتاج ہو جائے تو دنیا ساتھ چھوڑ دیتی ہے بنیاد مضبوط ہو تو بھی قبر سے آگے رفاقت نہیں، دنیا کی رفاقت، اس کی عزت ووقار ایسا بے وفا ہے کہ انسان معذور ہو جائے تو یہ سب چیزیں ساتھ چھوڑ دیتی ہیں مگر ذکر وفکر والے انسان کی معیت ایسی نعمت ہے کہ انسان معذور ہو جائے یا اس دنیا سے چلا جائے، عزت وقار پھر بھی ساتھ رہتے ہیں، قبر سے حشر کے میدان تک عزت انسان کے ساتھ رہتی ہے اس کی یہی ایک صورت ہے کہ انسان اپنا دل ودماغ اور سوچ وفکر اپنے مالک سے دور نہ لے جائے، وہ قرب کی ایسی منزل میں رہے کہ مالک سے آشنائی اوّل اور دنیا سے آشنائی درجہ دوم میں رہے۔

٭ اللہ تعالیٰ کو ماننے والوں کے دو طبقے ہیں ایک وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود مان کر عبادت کرتے ہیں، دوسرا طبقہ وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو اپنا معبود اور محبوب مان کر اُس کی بندگی کرتا ہے۔ دونوں میں بڑا فرق ہے، معبود تو وہ شجر وحجر کا بھی ہے، فضا وخلا کا بھی ہے۔ صرف معبود جان کر عبادت کرنا عام روٹین ہے۔ محبوب جان کر عبادت کرنا اور بات ہے۔ اس لئے کہ صرف معبود جان کر بندگی کرو گے تو بھی

اطاعت کروگے کبھی بغاوت، کبھی اپنی مرضی کروگے اور کبھی اُس کی بات پر عمل کروگے اور جب محبوب جان کر بندگی کروگے تو اپنا اختیار ختم کردوگے۔ پھر تمام اختیار آپ کے محبوب کا ہوگا، ایسے شخص کو محبوب کی ناراضگی کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے، محبت کے لئے محبوب کی ناراضگی حجاب ہے اور سب سے بڑا عذاب ہے۔ ایسے لوگ صوفیاء ہیں، اہل تصوف ہیں، تصوف کا سفر سراسر ادب و محبت کا سفر ہے۔

یہ اور قسم کے متعدد ارشادات متوسلین کو یاد ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر شروع سے ہی ان ارشادات کو محفوظ کرنے کا اہتمام کرلیا جاتا تو آج اہل محبت کے سامنے ایک روشن شاہراہ ہوتی اور ہر مسئلے کا حل ہوتا، اللہ تعالٰی پیر صاحب کو عمر دراز عطا فرمائے کہ آپ کی زندگی ایک زندگی کی بقا نہیں لاکھوں انسانوں کے دل کی دھڑکن ہے یقین ہے کہ اس مسند عالی کا فیض جاری رہے گا اور متلاشیانِ رشد و ہدایت فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

اللہ تعالٰی معتقدین کو اس دربار سے منسلک رہ کر نقشبندیت کے فیضان سے سیراب ہونے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔ بجاہ النبی الکریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔